ہوسکتا ہے۔

شعر نمبر دو : "خامۂ شوق" کی مناسبت سے "قلم کیجیے گا" کی خوب صورتی لاجواب ہے۔

غزل نمبر دو: مقطعے کے دوسرے مصرعے میں پہلے "تو" کو 'ت' پر زبر کے ساتھ یعنی "تَو" پڑھا جائے گا۔ دوسرے "تو" کو "تُو" بھی پڑھ سکتے ہیں اور "تو" بھی۔

مشق اور مطالعہ

(1) پہلی غزل کے مطلعے میں "رم کرنا" کا مفہوم ہے : دُور بھاگ جانا۔ معلوم کیجیے کہ اس فعل کو کس خوب صورت چوپائے سے مخصوص کیا جاتا ہے اور اس تخصیص کی روشنی میں شعر کا مفہوم لکھیے۔

(2) تیسری غزل کے دوسرے شعر میں "آئینہ"، "نظر" اور "دوچار" کے باہمی تعلّق کی بنا پر شعر کا مطلب لکھیے۔

(3) غزل نمبر تین کے ان اشعار کو الگ لکھیے جو صرف معبودِ حقیقی (خُدا) سے متعلّق ہیں۔

(4) تینوں غزلوں کے ایسے اشعار کی نشان دہی کیجیے جنھیں دنیاوی محبوب سے بھی منسوب کیا جاسکے۔

میر تقی میر

(1810–1722)

میر تقی میر آگرے میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ ایک درویش صفت شخص تھے۔ میر کی نو عمری ہی تھی کہ باپ کا انتقال ہوگیا۔ گھر میں کوئی دولت تھی نہیں، کچھ خاندانی جھگڑے بھی تھے، اس لیے میر دلّی آکر اپنے سوتیلے ماموں اور مشہور شاعر سراج الدین علی خاں آرزو کے یہاں رہنے لگے۔ آرزو اپنے وقت کے بڑے رئیس اور فارسی اردو کے عالم اور شاعر تھے۔ ان کے یہاں رہنے سے میر کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچا ہوگا، لیکن دونوں کا نباہ دیر تک نہ ہوسکا۔ میر کو آرزو کا گھر بھی چھوڑنا پڑا۔ وہ برسوں دلّی میں مارے مارے پھرتے رہے۔ کبھی کبھار کسی رئیس کی ملازمت کی تو کچھ دن آرام سے گزرے۔ لیکن اپنے مزاج کی آزادی اور خودداری کے باعث میر کہیں جم کر نہ رہ سکے۔ پھر انھوں نے دلّی میں رہنا مشکل جان کر لکھنؤ کی راہ لی۔ میر 1782 کے قریب لکھنؤ پہنچے۔ نواب آصف الدّولہ نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ میر کی باقی زندگی نسبتاً آرام سے گزری۔ لکھنؤ میں ہی ان کا انتقال ہوا۔

شروع زمانۂ شاعری سے ہی ان کا کلام مشہور اور مقبول ہوچکا تھا۔

یہ صورت آج بھی باقی ہے اور اکثر لوگ میر کو اُردو کا سب سے بڑا شاعر کہتے ہیں۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ میر کی شاعری غم اور رنج سے بھری ہوئی ہے ۔ یہ بات پوری طرح صحیح نہیں ہے۔ میر کی بڑائی اسی بات میں ہے کہ غمگینی اور رنجیدگی کے ساتھ ساتھ انھوں نے زندگی کے دوسرے پہلوؤں کو بھی اپنی شاعری میں اتنی ہی خوبی سے جگہ دی ہے جس خوبی سے وہ رنج وغم کی بات کرتے ہیں۔ میر کو ہنسنے کا بھی فن آتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اپنے آپ پر بھی ہنسنا جانتے ہیں۔ ان کی شاعری بہ ظاہر سادہ ہے لیکن اس کے اندر بہت گہرائی اور پیچیدگی بھی ہے۔ ان کے شعر دل کو چھوتے ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو دماغ کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ میر اپنی شاعری میں لفظوں کو نئے نئے رنگ سے استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام ہر زمانے میں اور ہر جگہ پسند کیا جاتا ہے۔

میر کی شاعری ہمیں زندگی اور انسان کے دل کی گہرائیوں کے بارے میں بہت کچھ بتاتی ہے ، وہ سرسری باتیں کہہ کر ہمارا دل نہیں بہلاتے ، وہ زندگی کو ہر رنگ میں دیکھتے اور برتتے ہیں اور اسی طرح شاعری کی بھی تمام خوبیوں کو بھرپور طریقے سے اپنے کلام میں جگہ دیتے ہیں۔

①

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا

عہدِ جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے تو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا

ساعدِ سیمیں دونوں اس کے ہاتھ میں لا کر چھوڑ دیے
بھولے اس کے قول و قسم پر ہائے خیالِ خام کیا

②

آہ سحر نے سوزشِ دل کو مٹا دیا
اس باؤ نے ہمیں تو دیا سا بجھا دیا

تھی لاگ اس کی تیغ کو ہم سے سو عشق نے
دونوں کو معرکے میں گلے سے ملا دیا

آوارگانِ عشق کا پوچھا جو میں نشاں
مُشتِ غبار لے کے صبا نے اُڑا دیا

گویا محاسبہ مجھے دینا تھا عشق کا
اس طور دل سی چیز کو میں نے لگا دیا

③

رُفتگاں میں جہاں کے ہم بھی ہیں — ساتھ اس کارواں کے ہم بھی ہیں
شمع ہی سر نہ دے گئی برباد — کُشتہ اپنی زباں کے ہم بھی ہیں
جس چمن زار کا ہے تو گلِ تر — بلبل اس گلستاں کے ہم بھی ہیں
وجہِ بیگانگی نہیں معلوم — تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں
مر گئے مر گئے، نہیں تو نہیں — خاک سے مُنھ کو ڈھانکے ہم بھی ہیں
اپنا شیوہ نہیں کجی یوں تو — یار جی ٹیڑھے بانکے ہم بھی ہیں
اس سرے کی ہے پارسائی میرؔ — معتقد اس جواں کے ہم بھی ہیں

④

دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے

گور کس دل جلے کی ہے یہ فلک
شعلہ اک صبح یاں سے اٹھتا ہے

سدھ لے گھر کی بھی شعلۂ آواز
دوُد کچھ آشیاں سے اٹھتا ہے

بیٹھنے کون دے ہے پھر اُس کو
جو ترے آستاں سے اٹھتا ہے

یوں اُٹھے آہ اُس گلی سے ہم
جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے

عشق اک میرؔ بھاری پتھر ہے
کب یہ تجھ ناتواں سے اٹھتا ہے

(5)

ہستی اپنی حَباب کی سی ہے — یہ نمائش سَراب کی سی ہے
نازُکی اس کے لب کی کیا کہیے — پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
چشمِ دل کھول اس بھی عالم پر — یاں کی اوقات خواب کی سی ہے
میرؔ ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

معنی اور اشارے

کام تمام کرنا = جان لے لینا
پیری = بُڑھاپا
ناحق = جھوٹ
عبث = بے کار، بے وجہ
سپید و سیہ = اِنتظام
جوں توں = جیسے تیسے
ساعد = کلائی
سیمیں = چاندی کا بنا ہوا، یعنی چاندی کی طرح خوب صورت
خیالِ خام = ایسا خیال جو غلط فہمی یا ناسمجھی کی بنا پر ہو۔
سوزشِ دل = دل کی جلن
باؤ = ہَوا، ہَوا کا جھونکا
لاگ = لگاو، دوستی، دشمنی

معرکہ = مقابلہ، محاذ
مُشتِ غبار = مُٹھّی بھر مٹّی
محاسبہ = حساب
لگا دینا = خرچ کر دینا، ہاتھ سے دے دینا، کسی کام میں استعمال کرنا
رفتگاں = گزرے ہوئے لوگ، گزری ہوئی چیزیں، وہ لوگ جو کسی چیز میں محو ہو گئے ہوں۔
کارواں = قافلہ
کُشتہ = جلا ہوا، قتل کیا ہوا
گُلِ تر = تر و تازہ پھول
واں = وہاں
شیوہ = طریقہ، انداز
کجی = بد دماغی، ٹیڑھ
اس سرے کی = اس درجے کی
مُعتقد = ماننے والا، اعتقاد رکھنے والا
گور = قبر
یاں = یہاں
سُدھ = خبر، ہوش
دوُد = دھواں
ناتواں = کمزور
حباب = بُلبُلہ

نمائش = دکھاوا، وہ چیز جو دکھائی دے

سَراب = ریگستان یا میدان میں (اور کبھی کبھی سڑکوں پر بھی) سخت گرمی کے وقت کبھی کبھی دور سے ایسا نظر آتا ہے کہ پانی لہریں مار رہا ہے لیکن قریب پہنچنے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کچھ بھی نہیں۔ پانی کے اس دھوکے کو "سراب" کہتے ہیں۔

عالَم = دُنیا

اوقات = حیثیت، رُتبَہ

نیم باز = ادھ کھُلی

غور کرنے کی بات

غزل نمبر ایک، شعر نمبر ایک: پہلے مصرعے میں "کام" کے اعتبار سے دوسرے مصرعے میں "کام تمام کیا" بہت خوب ہے۔ شعر کا انداز ایسا ہے گویا شاعر نہیں بول رہا ہے بلکہ کوئی شخص شاعر سے یا کسی اور شخص سے یہ واقعہ بیان کر رہا ہے۔

شعر نمبر تین: اس شعر میں خدا کو مخاطب کر کے ایک شوخ بات کہی گئی ہے، یہ غزل کا خاص رنگ ہے۔

غزل نمبر دو: دوسرے شعر میں "لاگ" کے لفظ کو دونوں معنی میں بڑی خوبی سے استعمال کیا ہے۔ دوسرے مصرعے میں گلے سے ملنے کا ذکر کرنے کی وجہ سے خوب صورتی اور بڑھ گئی ہے۔

شعر نمبر تین میں عشق کے آواروں کا نشان کس خوبی سے بیان کیا ہے۔ مٹھی بھر خاک کی طرح وہ ہیں بھی اور نہیں بھی ہیں۔ یہ بات بھی ہے کہ خاک ہر طرف اُڑ رہی ہے یعنی آوارگانِ عشق اپنی ہی اُڑائی ہوئی خاک میں گم ہیں۔

چوتھا شعر: "لگانا" یا "لگا دینا" حساب کا سوال حل کرنے کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں، اس اعتبار سے بھی پہلے مصرعے میں لفظ "محاسبہ" بہت خوب صورت ہے۔

غزل نمبر تین: دوسرے شعر میں خاص خوب صورتی یہ ہے کہ شمع کی لَو کو زبان سے تشبیہ دیتے ہیں۔

غزل نمبر پانچ، شعر نمبر ایک: "حَباب" یعنی بلبلے کا تعلق پانی سے ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے دوسرے مصرعے میں "سَراب" دوہرا لطف رکھتا ہے۔

شعر نمبر تین: دُنیا کی کیفیت صرف ایک خواب یا صرف نیند کی سی ہے۔ دنیا کے آگے بھی ایک دنیا ہے جس کو دل کی آنکھیں ہی دیکھ سکتی ہیں۔ دل کی آنکھیں کھولنے کے اعتبار سے دنیا کی اوقات کو خواب کہنا بہت خوب صورت ہے۔

مشق اور مطالعہ

(1) پہلی غزل کے دوسرے اور چوتھے شعر میں، جوانی اور بڑھاپا اور سفید و سیاہ کا، رات اور صبح کے ساتھ بہت لطیف تعلق قائم کیا گیا ہے۔ ان دونوں شعروں پر اظہارِ خیال کیجیے۔

(2) تیسری غزل کے پانچویں اور چھٹے شعر میں "ڈھانکے" اور "بانکے"

استعمال ہوئے ہیں۔ باقی شعروں میں "کے" الگ سے آیا ہے، جیسے : "جہاں کے"، "کارواں کے"۔ "ڈھانکے" اور "بانکے" جیسی صورتوں کو، یعنی جہاں ردیف والا لفظ قافیے والے لفظ کا حصّہ بن جائے، انھیں "قافیۂ معمولہ" کہتے ہیں۔

(3) تیسری غزل کے دوسرے، تیسرے، اور چوتھے شعر میں شاعر یا عاشق کے بارے میں جو خاص بات کہی گئی ہے وہ ان باتوں سے مختلف ہے جو شاعر یا عاشق کے بارے میں عام طور پر کہی جاتی ہیں۔ بتائیے کہ وہ خاص بات کیا ہے ؟

(4) چوتھی غزل کے مقطع میں کس کہاوت کی طرف اشارہ ہے ؟ اس کہاوت کے معنی بیان کیجیے اور اسے اپنے جملے میں استعمال کیجیے۔

(5) "ساری مستی شراب کی سی ہے" میں وہ کون سی خوبی ہے جو "ساری مستی شراب کی ہے" کہنے میں نہ ہوتی ؟

شیخ غلام ہمدانی مُصحفی

(1824 — 1749)

مُصحفی امروہہ کے رہنے والے تھے۔ 1770 کے آس پاس وہ نواب ٹانڈہ (ضلع بریلی) کے یہاں ملازم ہوگئے لیکن ایک ہی دو برس میں نواب کے انتقال کی وجہ سے یہ محفل درہم برہم ہوگئی۔ مصحفی کچھ دن لکھنؤ رہ کر دلّی پہنچے۔ بارہ سال کے قریب دلّی میں خاصی تنگی سے گزارنے کے بعد مصحفی 1784 کے آس پاس لکھنؤ واپس پہنچے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ لکھنؤ میں بھی مصحفی کوئی بہت آرام سے نہ رہے۔ کچھ تو ان کا مزاج ایسا تھا کہ ان کی ہر ایک سے بنتی نہ تھی، کچھ یہ کہ وہ جن جن لوگوں کے ملازم ہوئے وہ تنخواہ کم دیتے تھے۔ اور دیر دیر سے دیتے تھے، اس پر طُرّہ یہ کہ مصحفی اور انشا میں ایک معرکہ چل پڑا۔ انشا چونکہ طبیعت کے زیادہ تیز اور شہر میں زیادہ با اثر تھے، اس لیے شیخ غلام ہمدانی مصحفی کو اس معرکے میں نقصان ہی ہوا۔

ان سب باتوں کے باوجود مصحفی نے اردو کے آٹھ بھاری بھرکم دیوان مرتّب کیے اور فارسی کا بھی ایک پورا دیوان بنایا۔ اُردو شاعروں کے تین تذکرے لکھے۔ قصیدہ، غزل، رُباعی، مثنوی، ہر صنف میں